ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں:

اسلامی تصوف اور مثنوی مولانائے روم رح

اسلامی تصوف

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات میں سے چار کا ذکر سورۃ آل عمران (۱۶۴) میں اس طرح آتا ہے :-

لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ ج وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ٥

(بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھی میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور انھیں پاک کرتے ہیں اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتے ہین اور وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراھی میں تھے) یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ تزکیہ اور تصفیہ فرماتے ہیں جس سے لوگوں کے باطنی امراض دور ہوجاتے ہیں اور وہ مزکی و مطہر ہوجاتے ہیں۔ یہی تزکیہ اور تصفیہ دراصل تصوف کی اساس ہے اور اسی سے فرد اور جماعت کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

امام ابوبکر بن اسحق رح چوتھی صدی ہجری کے بزرگ تھے۔ انھوں نے صوفیہ کے عقائد اور احوال پر "تعرف" کتاب لکھی جو اس موضوع پر قدیم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کے باب ۳۴

میں مختلف صوفیہ کے اقوال، تصوف کے متعلق درج ہیں۔ چند یہ ہیں :-

حضرت جنید بغدادی (م سنہ ۲۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ "تصوف، اوقات کی محافظت کرنے کا نام ہے اور حفظ اوقات یہ ہے کہ بندہ اپنی حدود کے سوا کسی اور چیز کی طرف نگاہ نہ کرے اور اپنے رب کے سوا کسی اور کے ساتھ موافقت نہ کرے اور اپنے وقت کے سوا کسی اور کا ساتھ نہ دے"

ابن عطا (م سنہ ۳۰۹ھ) فرماتے ہیں کہ "حق تعالیٰ کا مطیع و فرمان بردار ہونے کا نام تصوف ہے"۔

کسی نے شبلی رح (م سنہ ۳۳۴ھ) سے دریافت کیا کہ صوفیوں کو صوفی کیوں کہا گیا؟ فرمایا، اس لیے کہ انھوں نے موجودہ طریقوں کو اپنا یا اور اپنا خاص وصف ثابت کیا۔ اگر وہ پہلے طریقوں کو مٹانے کی رسم ڈالتے تو صوفی کو رسم ڈالنے والا کہا جاتا۔ .... شبلی رح نے اِس بات سے انکار کیا ہے کہ متحقق صوفی کی کوئی رسم ہوتی ہے یا اس کا کوئی وصف ہوسکتا ہے۔ (۱)

پھر ابوبکر بن اسحاق رح لکھتے ہیں کہ "(صوفیہ سے متعلق) تمام اوصاف اور ان ناموں کے تمام کے تمام معانی اس گروہ کے ناموں اور القاب میں جمع ہوگئے ہیں اور اُن کے حق میں یہ تمام عبارتیں درست اور مآخذ قریب ہوگئے ہیں، اگرچہ بظاہر الفاظ مختلف ہیں مگر معانی ایک ہیں۔ اس لیے کہ اگر اسے صفا اور صفوت سے ماخوذ سمجھا جائے تو اسم نسبت صفویہ ہوگیا (جو تخفیف سے صوفیہ بن گیا) اور اگر اُسے صف اور صف اول کی طرف نسبت دی جائے تو

۱- تعرف (مترجم) لاہور سنہ ۱۳۹۱ھ۔ صفحہ ۱۲۸

اسم نسبت صفیہ یا صفیہ ہوگا (پھر واو کا اضافہ کیا اور فاء کو مخفف کیا تو صوفی ہوا)۔ یہ بھی جائز ہے کہ لفظ صوفیہ میں واو کو فاء پر مقدم کیا جانا۔ اور اسے زائد کیا جانا، کثرت استعمال کی وجہ سے ہو۔ اور اگر اسے صوف سے لیاجائے تو لفظ بھی درست ہوگا اور لغت کے اعتبار سے اس کی تعبیر و تشریح بھی درست ہوگی۔ بہرحال ان تمام ناموں کو یکجا کردیا جائے تو— دنیا سے خالی ہونے، اس سے علیحدگی اختیار کرنے، وطن ترک کرنے اور سفر اختیار کرنے، نفس کو حظوظ نفسانی سے باز رکھنے، پاکی معاملات، پاکی باطن، انشراح صدر اور صف اول کے لوگوں کی صفات رکھنے کا نام تصوف ہے"۔ (۱)

پھر انھوں نے جن اوصاف و فضائل پر بحث کی ہو وہ یہ ہیں:۔

---

(۱) ایضاً۔ صفحہ ۴۲-۴۳-مولانا جامی کے قول کے مطابق سب سے پہلے ابو ہاشم کوفی (م سنہ ۱۵۰ھ) صوفی کہلائے گئے۔ ان کے معاصر جابر بن حیان کوفی رح کو بھی بعض نے پہلا صوفی کہا ہے۔ شروع میں صرف زاہدانہ اور قناعت پسندانہ زندگی کو تصوف کہا جاتا تھا۔ اور وحدت الوجود کو ایک وجدانی اور ذوقی چیز سمجھا جاتا تھا۔ لیکن پھر ابن عربی رح (م سنہ ۶۳۸ھ) نے وحدۃ الوجود کو استدلالی جامہ پہنایا اور تصوف ایک فلسفہ بن گیا۔ لیکن امام غزالی (م سنہ ۵۰۵ھ) نے اپنی مجتہدانہ کوشش سے تصوف کو فلسفے کی غلامی سے بچالیا تھا اور اسلامی عقائد کو ان کی اصلی صورت میں پیش کیا تھا۔ دیکھیں مباحث و مسائل از استاذی پروفیسر ضیاء احمد بدایونی (دھلی سنہ ۱۹۶۸ع)۔ صفحہ ۲۰۔

زهد، صبر، فقر، تواضع، خوف، تقویٰ، اخلاص، شکر، توکل، رضا، یقین، ذکر، آنس، قرب، اتصال، محبت، تجریدو تفرید، وجد، غلبہ، سکر، غیبت و شہود، جمع و تفرقہ، تجلی و استتار، فنا و بقا، حقائق معرفت، توحید، مرید و مراد، مجاهدات و معاملات، وعظ و نصیحت اور صوفیہ پر بعض انعامات۔

صاحب تعرف کے بعد امام ابوالقاسم قشیری (م سنہ ۴۶۵ھ) اپنے رسالے میں لکھتے ہیں کہ "رسول‌اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کے علاوہ کوئی اور لقب ایجاد نہیں ہوا تھا، کیونکہ صحبت کے شرف سے بڑھ کر کوئی اور شرف نہیں ہوسکتا تھا۔"(۱)

امام قشیری‌رح نے ایک عارف اور صوفی کے اِن اوصاف کا ذکر کیا ہے:-

توبہ، مجاهدہ، خلوت و عزلت، تقویٰ، ورع، زهد، خوف، رجا، جوع، ترک شہوۃ، خشوع و تواضع، مخالفۃ‌النفس، قناعت، توکل، شکر، یقین، صبر، مراقبہ، رضا، عبودیت، ارادت، استقامت، اخلاص، صدق، حیا، ذکر، فتوت، فراست، جود و سخا، خلق، فقر، ادب صحبت، توحید، محبت، شوق و غیرہ۔

اسی زمانے میں حضرت داتا گنج بخش رح (م سنہ ۴۷۹ ھ) نے کشف‌المحجوب لکھی جو فارسی میں تصوف پر پہلی کتاب ہے۔ اس میں بھی اسی قسم کے فضائل کا ذکر ہے۔ ایک جگہ وہ بہت پیارا جملہ لکھتے ہیں کہ الجوع طعام‌الاصفیاء (یعنی بھوک خود ایک طعام ہے اصفیاء کے لیے)۔ بہرحال، یہ تمام محاسن اور فضائل صرف حضور انور صلی‌اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حاصل

---

(۱) الرسالۃ القشیریہ - القاہرہ سنہ ۱۳۷۹ھ — صفحہ ۸

ہوسکتے تھے اور محض آپ ص کے اتباع کامل سے ایسے انسان کامل تیار ہوسکتے ہیں جن کی تلاش میں ہزاروں سال کے فلاسفہ سرگرداں ہیں۔

انسان کامل:

یہاں میرا اشارہ یونان کے فلسفی درویش Diognes (دیوجانس) کی طرف ہے جس کا زمانہ ۴۱۲ — ۳۲۲ قبل مسیح ع ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن وہ سورج کی روشنی میں ایک چراغ ہاتھ میں لیے ہوئے بازار میں گھوم رہا تھا۔ لوگوں نے تعجب سے اس کا سبب دریافت کیا، تو اس نے جواب دیا کہ میں انسان کو ڈھونڈ رہا ہوں جو کہیں ملتا نہیں۔ مولانائے روم رح (م سنہ ۶۷۲ھ) اسی عجیب واقعے کا ذکر اپنے دیوان میں اس طرح کرتے ہیں:

دی شیخ باچراغ همی گشت گردشهر — کز دام‌ودد ملولم و انسانم آرزوست
زین همرهان سست عناصر دلم گرفت — شیر خدا و رستم دستانم آرزو ست
گفتند یافت می نشود جستہ ایم ما — گفت آنکہ یافت‌می نشودآنم‌آرزوست

علامہ اقبال بھی اسی انسان کی تلاش کرتے ہیں اور اپنی مثنوی اسرار خودی کے شروع میں رومی رح کے انھی اشعار کو تمہید بناتے ہیں۔ لیکن رومی رح اور اقبال رح کے یہاں انسان کامل وہی مومن کامل ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے مستنیر و مستفیض ہے(۱) Diognes اور اس کے گروہ کے لوگ سقراط کے شاگرد Antisthenes کے مقلد تھے جو نکوکاری میں عمل کو منحصر جانتے تھے اور لذت و دولت سے نفرت کرتے تھے۔ افلاطون کے

---

(۱) بال جبریل کے آخر میں مرید ہندی اور پیر رومی رح کے مکالمے قابل دید ہیں۔

شاگرد ارسطو کا زمانہ بھی یہی ہے۔ اس کے یہاں بھی "معیاری" انسان کا ذکر ہے۔ یہودی فلسفی Philo فائلو (سنہ ۴۰ مسیحی) جس نے توریت کی تعلیم کو افلاطونی افکار سے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اس نے عقل (عقل اول) کی دو حیثیتیں سمجھی ہیں۔ ایک کو وہ حقیقۃ الحقائق کہتا ہے اور دوسرے کو انسان کامل جو عقل کی تجلی سے مستفیض ہے۔ پھر مسیحی عقیدہ آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ یا انسان کامل ہیں جن میں خدا نے حلول کیا ہے۔ اسی طرح نو افلاطونیت (اشراقیت) کے خیالات ہیں کہ ذات واحد نے عقل کل کو پیدا کیا۔ عقل کل نے نفس کل کو۔ نفس کل نے افلاک کو۔ اور افلاک نے عالم کو۔ اور یہ کہ عقل کل، ذات باری کی مظہر کامل ہے اور نفس کو چاہیے کہ وہ مادہ کے وہم سے آزاد ہوکر ذات باری کے اخلاق سے متخلق ہوجائے، کیوں کہ مادہ کا کوئی حقیقی وجود نہیں۔

لیکن مسلمانوں میں مومن کامل کا عقیدہ خلافت الٰہیہ سے ماخوذ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب بنایا تو یہ نیابت، شرعی اوصاف سے متصف ہونے ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحم (م سنہ ۲۶۱ھ)، حلاج رحم (م سنہ ۳۰۹ھ) امام غزالی رحم (م سنہ ۵۰۵ھ) اور شیخ ابن العربی رحم (م ۶۳۸ھ) وغیرہ نے اپنے اپنے انداز سے اس مومن کامل کی وضاحت کی ہے اور مؤخر الذکر نے تو بکثرت ناموں سے اسے پکارا ہے اور عبدالکریم جیلی رحم (م سنہ ۸۱۱ھ) نے اپنی کتاب "الانسان الکامل فی معرفۃ الاواخر والاوائل" میں ابن العربی رحم ہی سے انسان کامل والی اصطلاح لی ہے۔ اور اسی کی بنیاد پر اپنی عمارت قائم کی ہے۔ غرض کہ ہر مفکر نے اپنے اپنے خیال کی توجیہ اور ترتیب سے اپنے مباحث پیش کیے

ہیں.(۱) لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کامل وہی مومن ہے جسے ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم کا منصب ملا ہے اور وہ منصب بغیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع تام کے، حاصل نہیں ہوسکتا - رومی رحم کہتے ہیں :-

بندۂ یک مرد روشن دل شوی — بہ کہ بر فرق سر شاہاں روی

اور اقبال ایسے انسان کامل کے متعلق کہتے ہیں کہ :-

قدرت کے مقاصد کا عیار اُس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

حضرت رومی رحم کا تصوف:

حضرت رومی رحم کے تصوف کا خلاصہ اُن کے ملفوظات "فیہ ما فیہ" کے بالکل آخر میں درج ہے - فرماتے ہیں :-

"میں تم کو وصیت کرتاہوں کہ اللہ سے ظاہر اور باطن میں تقویٰ رکھو، کم کھاؤ، کم سوؤ، کم بولو، اور گناہوں اور برائیوں کو ترک کرو اور خواہشوں کو ہمیشہ کے لیے چھوڑو اور خلقت کی طرف سے سختیاں برداشت کرو اور ہمیشہ روزہ رکھتے رہو اور ہمیشہ عبادت کے لیے کھڑے رہو" (عربی سے ترجمہ).

فریدون سپہ سالار جنہوں نے اپنی ایک عمر حضرت رومی رحم کی خدمت میں صرف کردی تھی اپنے رسالے میں جو مثنوی کے ساتھ (منشی رحمت‌اللہ رعد کے اہتمام سے کانپور سے) شایع ہوا تھا حضرت‌رحم کی کچھ کیفیات اس طرح بیان کرتے ہیں :-

---

(۱) اُستاذی پروفیسر ضیاءاحمد بدایونی نے مباحث و مسائل (صفحہ ۶۵ - ۱۷) میں ان مفکرین کے خیالات کا جائزہ لیا ہے

در بے خوابی شانے عظیم داشت
در مجاهدۂ صوم و جوع، آیتے بودند، چہ آن مجاهده کہ
از ایشان مشاهد رفتہ است مقدور بشر نبود در تمامی امور
متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند و در فقر
نیز تتبع بداں حضرت صہ می کردند چوں وقت نماز
رسیدے متوجہ قبلہ شدندے، چهرۂ مبارک ایشان رنگ بہ
رنگ گشتے بہ استغراق و خشوع بے حد و نیاز و خضوع
بے حد، بہ نماز مستغرق می شدندے و بہ کلی بصفات
بیچوں متصل گشتندے۔

ان کیفیات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مستی و بیخودی کے باوجود آپ کبھی شریعت کے دائرے سے باهر قدم نہ رکھتے تھے شب بیداری، تہجد گذاری، کثرت نوافل، دوام ذکر، ادائے نماز میں انتہائی شغف، پھر نماز میں چہرے کا رنگ متغیر ہوجانا وغیرہ آپ کے درجات عالیہ کی نشان دھی کے لیے کافی نشانیاں ھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا تصوف خالص اسلامی ہے جس میں زھد اور ورع اور اتباع شریعت ساتھ ساتھ ہے۔ آپ نے تزکیۂ جان اور تصفیۂ قلب کے لیے چند مفید مشورے دیے ھیں۔ مثلا دفتر سوم میں غفلت اور کاهلی کے دور کرنے پر زور دیا ہے:

غفلت از تن بود، چوں تن روح شد — بیند او اسرار را بے هیچ بد
چوں زمیں برخاست از جوِّ فلک — نہ شب و نہ سایہ باشدلی ولک
هر کجا سایہ ست و شب یا سایگہ — از زمیں باشد، نہ از افلاک ومہ
هر گرانی و کسل خود از تن ست — جان زخفّت جملہ در پرّیدن ست

توبۂ نصوح یعنی سچی توبہ کے لیے بھی آپ فرماتے ھیں (دفتر چهارم):-

توبہ کن مردانہ سر آور برہ　　کہ فمن یعمل بمثقال یرہ

توبہ کر اور مردان خدا کی طرح راستہ اختیار کر، کیوں کہ جو کوئی ذرہ برابر نیکی یا بدی کرے اس کو وہ بچشم خود دیکھ لے گا۔

وز پدر آموز کآدم از گناہ　　خوش فرود آمد بسوی پایگاہ

توبہ آدم علیہ السلام سے سیکھ کہ جب آن سے خطا ہوئی تو فوراً آستانے پر جھک گئے۔

چوں بدید او عالم اسرار را　　بر دو پا استادہ استغفار را

جب انھوں نے عالم غیب کا مشاہدہ کیا تو طلب بخشش کے لیے عاجزی سے کھڑے ہو گئے۔

ربنا انا ظلمنا گفت و بس　　چونکہ جان داراں بدید از پیش و پس

جب انھوں نے اپنے آگے پیچھے اپنی اولاد کو دیکھا تو سب کی طرف سے عرض کیا کہ اے پروردگار ہم نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

توبہ را از جانب مشرق درے　　تاقیامت باز باشد بر درے

قیامت تک مشرق کی جانب توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

تا ز مغرب بر زند سر آفتاب　　با ز باشد آن درہ ازوے رومتاب

وہ دروازہ کھلا رہے گا یہاں تک کہ سورج مغرب سے نکلے۔ پس توبہ سے رد گردانی نہ کر۔

ہست جنت را ز رحمت ہشت در　　یک در توبہ ست زاں ہشت اے پسر

بہشت کے آٹھ دروازے ہیں آن میں سے ایک توبہ کا ہے۔

پھر آپ اچھی صحبت کے فوائد بھی لکھتے ہیں کیوں کہ صحبت اس راہ سلوک میں کبریت احمر کا کام کرتی ہے اور صحبت ہی نے صحابہ کرام رض کا درجہ انبیاے بنی اسرائیل ع جیسا بلند فرمایا۔

هم نشین اهل معنی باش تا هم عطا یابی وهم باشی فتا

اهل دل کی رفاقت اختیار تاکہ خدا کا انعام بھی پائے اور عالی همت بھی کہلائے۔

هم‌نشینی مقبلاں چوں کیمیاست چون‌نظرشاں کیمیای خود کجاست

اقبال مندوں کے پاس بیٹھنا کیمیا کا حکم رکھتا ھے۔ اُن کی نظر جیسی کیمیا دنیا میں کہاں؟

یک زمانی صحبتے با اولیا بہتر از صد سال بودن درتقا

خدا کے دوستوں کی گھڑی بھر صحبت، سو سال کی پرھیزگارانہ زندگی سے افضل ھے۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

نیکوں کی صحبت، انسان کو نیک اور بدوں کی صحبت بد بنا دیتی ھے۔

همرھے راجو کز و یابی‌مدد همدل و همدرد و جو یان احد

ایسا رفیق (مرشد) تلاش کر جس سے (راہ طریقت میں) مدد ملے جو همدل، همدرد اور خدا کا طالب ھو۔

مہر پاکان درمیان جان نشاں دل مدہ الا بہ مہر دل خوشاں

اپنی روح میں پاکبازوں کی محبت کو جگہ دے اور اُن کے سوا کسی دوسرے سے دل نہ لگا۔

فقرخواھی‌آں بصحبت قائم‌ست نہ زبانت کار می آید نہ دست

اگر تو فقر کا طالب ھے تو وہ مرشد کی صحبت سے ملے گا اس میں زبان یا ھاتھ کی مدد کام نہیں دیتی۔

یار آئینہ ست جاں را درحزن بر رخ آئینہ اے جاں دم مزن

یار (مرشد) تیری جان کے لیے آئینے کا حکم رکھتا ھے۔ اے جان، آئینے پر پھونک نہ مار (پیر کے سامنے کلام نہ کر)۔

گفت پیغمبرصہ کہ دربحر ھموم در دلالت داں تویاراں رانجوم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غم کے سمندر میں راستہ دکھانے کے لیے یار ستاروں کا کام دیتے ھیں۔ اس شعر میں ایک حدیث کی تلمیح ھے کہ :-

اصحابی کا لنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

(میرے صحابہ مانند نجوم کے ھیں، ان میں سے تم جس کی پیروی کرو گے ھدایت پاؤ گے)۔

اس طرح حضرت رومی رحہ نے غفلت اور کاھلی کے اجتناب اور سچی توبہ کے بعد صحیح دوست اور مخلص رھبر کے لیے مشورہ دیا ھے۔ پھر وہ تصوف اور صوفی کی وضاحت کرتے ھیں کہ اس سے کیا فائدہ حاصل ھوسکتا ھے۔

دفتر صوفی سواد و حرف نیست جزدل آسفید ھمچو برف نیست

(صوفی کا علم، لکھنے پڑھنے پر موقوف نہیں۔ اس کے لیے برف جیسے اُجلے دل کی ضرورت ھے)

خویش راصافی کن ازا و صاف خود تا بہ بینی ذات پاک و صاف خود

(اپنے آپ کو اپنی خوبیوں سے پاک بنا، تاکہ تو اپنی ذات یا حقیقت کو دیکھ سکے۔

بینی اندر دل علوم انبیا بے کتاب و بے معیدو اوستا

(اُس وقت تو کتاب اور استاد کے بغیر اپنے دل میں انبیاء علیہ السلام کے علوم پائے گا)۔

علم کاں نبود زھو بے واسطہ آں نیاید ھمچو رنگِ ماشطہ

(جو علم خدا کی طرف سے بے واسطہ نہ ھوں مشاطہ کے رنگ کی طرح پائدار نہیں ھوتا)۔

صورت بے صورتے بے حدو عیب زائینہ دل تافت بر موسیٰ زجیب

"(اُسی علم کی برکت سے" بے صورت جو حدود و عیوب سے پاک ہے موسیٰ کے آئینہ دل پرگریباں کی راہ سے چمکی)

راست گفتہ ست آں شہشیریں زباں چشم گردد موبموے عارفاں

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا کہ خداشناسوں کا ہر رونگٹا آنکھ کا کام دیتا ہے)۔

پس بداں کہ چونکہ رستی ازھدن گوش وبینی چشم می باید شدن

(پس جان لے کہ جب تو مادیت سے آزاد ہوگا تو ہم تن گوش، ہم تن بینی اور ہم تن چشم ہوجائے گا۔

گرتن خاکی غلیظ و تیرہ ہست صیقلی کن زانکہ صیقل گیرہ ہست

(اگر تیرا بدن کثیف و تاریک ہے اُسے صیقل کیے جا، کہ تیرے پاس صیقل گر یعنی عقل کلی ہے)۔

پس چو آھن گرچہ تیرہ ھیکلی صیقلی کن، صیقلی کن، صیقلی

(اگر تو لوہے کی طرح سیاہ ہو تاہم برابر صیقل کرتا رہ)

صیقل عقلت بداں داں ست حق کہ بداں روشن شود دل را ورق

(خدانے اسی لیے تجھے صیقل گر عقل عطا فرمائی ہوکہ تیرا دل روشن ہوجائے)۔

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک نقشہا بینی بروں از آب و خاک

(جب دل کا آئینہ پاک صاف ہوجائے گا تو اُس میں وہ نقوش نظر آئیں گے جو عالم سے ماورا ہیں)۔

ھاں بیا اے جان جان صدر جہاں خوش غنیمت دار وقت ایں زماں

(اے عزیز آ اور وقت کو غنیمت جان)

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق نیست فردا گفتن از شرط طریق

(صوفی کو ابن الوقت یعنی وقت کی قدر جاننے والا ہونا چاہئے۔ کل پر ٹالنا طریقت کے خلاف ہے)۔

تو مگر خود مرد صوفی نیستی نقد را از نسیہ خیزد نیستی

(تو شاید صوفی نہیں ورنہ وقت کی قدر کرتا۔ اُدھار دینے سے نقد پر زوال آجاتا ہے)۔

ہر کہ عاشق گشت رست از وقت و حال غرقہ شد در بحر عشق ذوالجلال

(جو عاشق ہوا وہ دنیوی وقت کی قیود سے آزاد ہوا اور خدا کی محبت کے سمندر میں غرق ہوا)۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی نیک بیں باشی اگر اہل دلی

(ولی کی ذات سے خدا کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ اگر تو اہل دل ہے تو اُن سے نیک گمان رکھ)۔

کاں گروہے کہ رہیدند از وجود چرخ و مہر و ماہ شاں آرد سجود

(جو لوگ اپنی ہستی کو مٹا دیتے ہیں آسمان اور چاند سورج اُن کو سجدہ کرتے ہیں)۔

ہر کہ مُرد اندر تن او نفس گبر مر ورا فرماں برد خورشید وابر

(جس کے تن کے اندر نفس کافر مرجاتا ہے سورج اور بادل اُس کی اطاعت کرتے ہیں)

چوں دلش آموخت شمع افروختن آفتاب اورا نیارد سوختن

(جس کسی نے محبت کی شمع جلانا سیکھ لی اُس کو سورج بھی نہیں جلا سکتا)۔

اولیارا ہست قدرت از الٰہ تیر جستہ باز گرداند زراہ

(اولیاء کو خدا نے یہ طاقت دی ہے کہ کمان سے چھوڑے ہوئے تیر کو راہ سے لوٹا سکتے ہیں)۔

چوں قبول حق بود آں مرد راست دست او درکارہا دست خدا ست

(ولی، خدا کا مقبول ہوتا ہے، اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ بن جاتا ہے)۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت رومی رحم کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کو علوم ظاہری سے نہیں، بلکہ علوم باطنی سے تعلق ہوتا ہے اور یہ علوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے مستنیر ہوتے ہیں اور علوم انبیاء علیہم السلام سے مستفاد ہیں۔ یہ علوم آخرت کی سمجھ پیدا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، گویا مادیت اور دنیا کے علائق سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ہی نصیب ہوسکتے ہیں۔ اس کے لیے "عقل کلی" کی ضرورت ہوتی ہے، پھر دل میں ایسا نور پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ نقوش بھی نظر آنے لگتے ہیں جو عالم مادی سے ماوراء ہیں۔ ایسا صوفی، وقت کی قدر جاننے والا ہوتا ہے اور آج کا کام کل پر نہیں ٹالتا۔ وہ عشق الٰہی کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے، اللہ کی ہر مشیت کو لبیک کہتا ہے اور خاص و عام کے طعن و تشنیع سے بے پروا ہوتا ہے، پھر ہر چیز اس کے آگے جھک جاتی ہے بلکہ وہ چھوڑے ہوئے تیر کو بھی واپس لاسکتا ہے، کیونکہ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ:۔ لایزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببته فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده الذی یبطش به و رجله الذی یمشی به (یعنی بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعے قریب ہوجاتا ہے یہاں تک کہ میں اسے دوست بنالیتا ہوں۔ اور جب میں اسے دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے)۔

اوپر کے اشعار میں حضرت رومی رحم نے "صیقل گیرہ" اور "صیقل عقل" کا جو ذکر کیا ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ ان کے نزدیک عقل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقل جزوی جو ناقص ہوتی ہے، بحث و استدلال، ظن و تخمین، نفاق اور مصلحت اندیشی کی خوگر ہوتی ہے اور یہ عقل دنیا والوں کی ہوتی ہے۔ دوسری عقل کلی ہوتی ہے جس کا تعلق اہل اللہ سے ہوتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر و فکر، یقین و ایمان اور اس کے عشق کے لیے ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

عقل جزوی را وزیر خود مگیر　　عقل کل را ساز اے سلطان وزیر
عقل جزوی، عقل را بدنام کرد　　کام دنیا مرد را بے کام کرد
پائے استدلالیان چوبیں بود　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

ان کے نزدیک عقل جزوی، عقل معاش ہے اور عقل کلی، عقل معاد ہے۔ عقل جزوی "پائے چوبیں" ہے اور "حکمت دینی برد فوق فلک" یہی حکمت دینی یا عقل کلی ایک سالک کو صحیح عشق کی طرف لے جاتی ہے جو ہر ادنیٰ اور اعلیٰ چیز کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہے اور قوت فعال بھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

عشق آن شعلہ است کو چوں برفروخت　　ہرچہ جز معشوق باشد جملہ سوخت
شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　وے طبیب جملہ علتہائے ما

لیکن اس کے لیے وہ سعی پیہم پر زور دیتے ہیں کہ:۔

اندریں رہ می تراش ومی خراش　　تا دم آخر دمے فارغ مباش
دوست دارد دوست ایں آشفتگی　　کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

آخر میں اتنا اور عرض کردوں کہ حضرت رومی رحم نے جو عشق کے لیے فرمایا ہے کہ ع ہرچہ جز معشوق باشد جملہ سوخت، تو اس سے مراد وہ وحدۃ الوجود نہیں ہے جہاں محض فنا ہے۔ ان

کے نزدیک وہ ایسی حالت ہے جہاں پہنچ کر خودی اور بے خودی میں تضاد باقی نہیں رہتا۔ فرماتے ہیں:

منتہاے سیر سالک شد فنا نیستی از خود بود عین بقا
ہست از روے بقا آں ذات او نیست گشتم وصف او در وصف ہو
چوں زبانم شمع پیش آفتاب نیست باشد ہست باشد در حساب
ہست باشد ذات او تا تو اگر برنہی پنبہ بسوزد زاں شرر
نیست باشد روشنی نم دہد ترا کردہ باشد آفتاب او را فنا

یعنی شمع کا شعلہ آفتاب کے سامنے ہست بھی ہے اور نیست بھی ہے۔ ہست اس لیے کہ اگر اس شعلے کو روئی دکھاؤ گے تو روئی جل جائے گی اور نیست اس لیے کہ آفتاب کی موجودگی میں وہ شعلہ روشنی دینے سے قاصر ہے۔

حضرت رومی رحم کے یہ تمام علوم اپنی جگہ مسلم، لیکن:-

مولوی ہرگز نہ شد مولاے روم تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد